علامہ اقبال کی علم الاقتصاد- ایک تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ثوبیہ اسلم

علامہ اقبال کی اقتصادیات پر نثر کی پہلی کتاب علم الاقتصاد ۱۹۰۳ء میں چھپی۔ مگر اس وقت یعنی ۱۹۰۳ء میں لکھی گئی اس کتاب کے مضامین کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ علامہ اقبال نے پروفیسر آرنلڈ کی تحریک پر علم الاقتصاد جسے لالہ جیارام پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور علامہ کے ہم جماعت مسٹر فضل حسین بیرسٹر ایٹ لاء اور مولانا شبلی نعمانی کے مشوروں سے لکھی۔[۱]

اس میں کوئی شک نہیں کہ علم معاشیات آج اپنی ترقی یافتہ شکل میں موجود ہے۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ جس وقت یہ کتاب لکھی گئی اس وقت کے حالات معاشیات سے مطابقت رکھتے تھے یا نہیں؟ اس کتاب سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ علامہ کی سوچ معاشرہ اور معاشیات کے بارے میں کیا تھی۔ سب سے پہلے تو پتہ چلتا ہے کہ علامہ نے لوگوں کے دکھوں، افلاس کا عالم تقسیم ہند سے قبل دیکھا اور محسوس کیا اور علامہ کی شدید خواہش تھی کہ یہ دردناک افلاس کسی طرح ختم ہو جائے اور ہر کوئی مفلسی کے عذاب سے چھٹکارا پا جائے۔ اسی سوال کو علامہ نے قائداعظم کے نام ایک خط میں دہرایا اور جاوید نامہ میں اس کا جواب خود دینے کی سعی بھی کی۔ جہاں وہ ایک خیالی شہر مرغدین کی سیر کے دوران بتاتے ہیں کہ وہاں گداگر کوئی نہ تھا، غریب کوئی نہ تھا۔ معاشی حالات کی وجہ سے فلسفے اور عربی کے ایک طالب علم کو اقتصادیات کی کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اقتصادیات پر لکھی گئی دیگر کتب میں شاید یہ واحد کتاب ہوگی جو عوامی مفلسی کو مدنظر رکھ کر ایک دردمند دل سے لکھی گئی۔ اسی کتاب سے علامہ کے خیالات کی ترجمانی ہوتی ہے کہ وہ جنگ وجدل کا مقصد صرف اور صرف دولت کا حصول سمجھتے تھے اور امن وامان سے رہنے کی بات ہمیشہ کرتے۔ امن کی اس خواہش کا اظہار ہمیں بانگ درا کی پہلی نظموں میں ملتا ہے جو اسی دور میں لکھی گئی تھیں اور پندرہ، سولہ سال بعد اسرار و رموز اور پھر ۱۲، ۱۳ سال بعد جاوید نامہ میں چھپیں۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں علامہ نے زمین کے بارے آج سے تقریباً ۱۱۵ سال قبل اس بات پر زور

دیا تھا کہ یہ عطیہ خداوندی ہے کہ ان کی ضرورتیں کسی نہ کسی طرح وسائل کے مناسب استعمال سے پوری ہو جاتی ہیں۔ یہی سوچ بڑھتی بڑھتی عقیدے کے ساتھ پیوست ہوئی تو یہ نتیجہ نکلا کہ علامہ ذاتی ملکیت کے خلاف ہو گئے۔ اگر چہ علم الاقتصاد میں واضح طور پر تو عقیدہ نظر نہیں آتا، مگر کسی حد تک اس طرف رجحان ضرور ملتا ہے اور اس کتاب کی چوتھی تقسیم میں دولت کی پیداوار اور اس کے حصہ داران کی بنیاد بھی اسی بات پر رکھتے ہیں۔

شروع شروع میں ذاتی ملکیت کا کوئی تصور موجود نہ تھا، ہر چیز ہر کسی کی ملکیت تھی اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ چیز میری ہے، نہ کہیں بھوک تھی اور نہ چوری چکاری۔ علامہ اس مشارکت کی زندگی کو امن و امان کی زندگی لکھتے ہیں اور اپنی مشہور نظم 'ہمالہ' میں انہی ایام کی طرف لوٹنے کی بات کرتے ہیں اور دیگر مفکرین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انسانی رہتل کی یہی شکل سب سے اچھی ہے۔ نظام قدرت میں ہر انسان برابر کا درجہ رکھتا ہے اور شخصی جائیداد ساری برائیوں کی جڑ ہے۔ اس تقسیم کے چوتھے باب کے آخر میں دست کار، ہنر مند کی بات کرتے ہیں جن کی محنت سے پیداوار میں اضافہ دستکاروں کا حق ہے۔ یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ آج سے ۱۱۵ سال پہلے پیداوار کا زیادہ تر حصہ دست کاروں کا مرہون منت تھا۔ دست کاروں کے منافع میں زمینداروں، ساہوکاروں اور کارخانہ داروں کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ مزدور کے حقوق کی بات سب سے پہلے علامہ نے اسی کتاب میں کی ہے اور مزدور کو دولت آفریں لکھا ہے۔ سرمایہ اور سرمایہ دار کے بارے میں علامہ اقبال کی سوچ اس کتاب میں بہت منضبط طور پر بیان نہیں ہے۔

کتاب کی تیسری تقسیم کے چوتھے باب میں علامہ لکھتے ہیں کہ مالکان اور کارخانہ داران کا وجود سرمائے اور محنت کا مناسب کنٹرول اسی قدر ضروری ہے جس قدر فوج کے لیے سپہ سالار کا ہونا۔ مگر اس سوچ میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آتی رہی۔ بالکل اسی طرح سود کے بارے میں ان کی سوچ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلتی رہی کیونکہ ان کے نزدیک کوئی خیال یا مذہب انسانی رہتل کے حالات اور اس کی عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ ترقی نہ کر سکیں تو وہ بشری تقاضوں کے خلاف ہوگا اور مٹ جائے گا۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ روسی اشترا کی نظام کا ذکر ہندوستان میں بالکل نہیں ملتا۔ اس کتاب میں انگریزی راج کے ساتھ اس نفرت کا اظہار دیکھنے میں نہیں آیا جو بعد میں ہمیں کہیں کہیں ملتا ہے۔ جس طرح وہ آہستہ آہستہ واکر سے مارکس اور لینن تک پہنچ گئے۔ اسی طرح مطالعہ مشاہدہ ان کو انگریز کے خلاف کرتا گیا۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی اس کے خاتمے والے باب میں ہے۔ جہاں علامہ اقبال نے لکھا ہے، جسے شریف کنجاہی نے پنجابی کا روپ اس طرح دیا ہے:

اج دے زمانے نوں اک اجیہے فلسفی دی ضرورت محسوس ہو رہی اے جیہڑا دولت صرف کرن دے اوہناں طریقیاں نوں جانن دسن دی گل کرے، جیہاں نال تمدن دی تانی پئی اُنی جاسکدی اے۔ میں سمجھیاں جے ایہہ

اوہ غیبی اشارہ سی جیہڑا ایس کتاب دے مصنف نوں ملیا تے جس نوں جاوید نامے وچ مکمل کر کے دنیا دے سامنے رکھ دتا گیا سی۔[۲]

صدیق جاوید نے علم الاقتصاد کے بارے میں لکھا ہے کہ:

علم الاقتصاد اگر ایک درسی کتاب تھی تو کس تعلیمی درجے یا سطح کے لیے تیار کی گئی تھی؟ کیا یہ کتاب کہیں باقاعدہ اور باضابطہ طریقے سے درسی کتاب کے طور پر پڑھائی گئی یا یہ افادہ عام کے لیے پولیٹیکل اکانومی کے موضوع پر ایک عام کتاب تھی؟ راقم الحروف کا قیاس ہے کہ ۱۹۰۳ء میں انجمن ترقی اردو حیدر آباد کے قیام کے ساتھ ترویج اردو کے لیے اردو میں علمی موضوعات پر کتابوں کی اشاعت کا کوئی منصوبہ انجمن کے سیکرٹری مولانا شبلی کے پیش نظر رہا ہوگا اور پروفیسر ٹامس آرنلڈ کی مشورت سے اقبال کو علم الاقتصاد کے موضوع پر کتاب تیار کرنے کے لیے آمادہ کیا ہوگا۔ محض زبان کی اصلاح کے لیے شبلی کو مسودہ بھیجنے کی کوئی ایسی ضرورت نظر نہیں آتی۔ اقبالیات کے محققین اور یاران نکتہ داں متذکرہ موضوع پر داد تحقیق دے سکتے ہیں۔[۳]

صدیق جاوید علامہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

انسان کی تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ جو قومیں اپنے تمدنی اور اقتصادی حالات سے غافل رہی ہیں ان کا حشر کیا ہوا ہے۔ ابھی حال میں مہاراجہ بڑودہ نے اپنی ایک گراں بہا تقریر میں فرمایا تھا کہ اپنی موجودہ اقتصادی حالت کو سنوارنا ہماری تمام بیماریوں کا آخری نسخہ ہے اور اگر یہ نسخہ استعمال نہ کیا گیا تو ہماری بربادی یقینی ہے۔[۴]

تحفظ تجارت کے معاملے میں شیخ محمد اقبال صاحب رانا ڈے مرحوم اور مسٹر جی سلبر مینا آئر کے ہم زبان ہیں۔ ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو:

زمین کے اس خاصے کے بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں ہندوستان چونکہ صنعتی ملک نہیں ہے اس لیے یہ غیر ممالک کے لیے ایک قسم کا ذخیرہ بن گیا ہے، جہاں سے وہ اپنے صنعتی کارخانوں کے لیے مصالح حاصل کرتے ہیں اور پھر اس مصالح کو اپنی دستکاری کے عمل سے نئی نئی مصنوعات کی صورت میں تبدیل کر کے دیگر ممالک اور ہندوستان میں بھیج کر بے انتہا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں چونکہ قانون تعلیل کے روکنے کے اسباب بہت قلیل ہیں لہذا جو اشیاء ہندوستان میں دیگر ممالک سے آتی ہیں ان پر قانوناً بہت سا محصول لگنا چاہئے جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دیگر ممالک کے تاجر اپنی صنعتی اشیاء اس ملک میں نہ بیچ سکیں گے اور اگر بیچیں گے تو ان کو کچھ فائدے کی توقع نہ ہوگی کیونکہ زیادہ محصول کی وجہ سے ان اشیاء کی قیمت گراں ہو جائے گی اور یہاں کے لوگ ان کو خریدنے سے باز رہیں گے۔ اس طرح ہم کو اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے خود اپنا محتاج ہونا پڑے گا اور ہماری صنعت کو ترقی ہوگی۔ اس طریق عمل کو حفاظت تجارت یا تامین تجارت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔[۵]

ممتاز حسن ڈاکٹر انور اقبال قریشی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اقبال کی ہر تصنیف نہ صرف اپنے زمانے کا ایک غیر معمولی کارنامہ تھی بلکہ آج بھی اس کی افادیت ایک بڑی حد تک یہ ہے کہ اس کتاب نے اردو زبان میں جدید معاشیات کے متعلق الفاظ فراہم کئے۔ اگرچہ اقبال کو زندگی

پھر معاشیات سے دلچسپی رہی، لیکن انہیں اس موضوع سے وہ تعلق پیدا نہ ہوا جو شعر، فلسفہ سیاست اور قانون دانی سے تھا۔

نفس مضمون کے اعتبار سے مجھے اس کتاب کے دو موضوعات کا تذکرہ کرنا ہے۔ اوّل یہ کہ اقبال نے قومی تعلیم کو معاشی ترقی اور ملکی پیداوار کی افزائش کا لازمی وسیلہ قرار دیا ہے اور یہ وہ نکتہ ہے جو اکثر ماہرین اقتصادیات کی نگاہوں سے اوجھل رہا ہے۔ ذاتی طور پر مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تعلیم اور اقتصادی ترقی لازم و ملزوم ہیں اور جب تک کسی ملک میں قومی تعلیم پورے طور پر عام نہ ہو وہ ملک کما حقہ اقتصادی ترقی نہیں کر سکتا۔[۶]

دوسرا مسئلہ آبادی کے کنٹرول کے بارے خاندانی منصوبہ بندی۔ یہ مسئلہ پاکستان و ہند میں ہمیشہ سے موجود رہا، مگر ماہرین اقتصادیات نے اس پر توجہ نہ دی۔ اقبال آج سے ۱۰۵ سال قبل ان دونوں بنیادی عوامل کو معیشت کی بنیاد سمجھتے تھے۔ ۱۹۱۰ء میں انہوں نے علی گڑھ میں 'ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر' کے عنوان سے جو لیکچر دیا اس میں فرمایا:

سب سے زیادہ اہم عقدہ اس مسلمان کے سامنے جو قومی کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہتا ہے، یہ ہے کہ وہ کیونکر اپنی قوم کی اقتصادی حالت کو سدھارے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ ہندوستان کی عام اقتصادی حالت پر نظر غائر ڈال کر ان اسباب کا پتہ لگائے جنہوں نے ملک کی یہ حالت کر دی ہے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ کسی اور مسئلہ پر غور کرنے سے پہلے یہ دریافت کرے کہ ملک کی حالت میں کس حد تک ان بڑی بڑی اقتصادی قوتوں نے حصہ لیا ہے جو آج کل کی دنیا میں اپنا عمل کر رہی ہیں۔ کس حد تک اہل ملک کی تاریخی روایات، عادات، اوہام اور اخلاقی کمزوریوں نے حصہ لیا اور اگر گورنمنٹ کے طرز عمل کا بھی کوئی حصہ ہے تو وہ کس حد تک ہے۔ شرح مالگذاری میں آئے دن کا اضافہ، مسکرات ممالک غیر کی اس ملک میں درآمد، قیمت اجناس کی گرانی کا باعث ممکن ہے یہ ہو کہ سکہ رائج الوقت کے متعلق حکومت کے قائم کئے ہوئے اصول غلط ہیں یا یہ کہ ایک زراعتی ملک اور ایک صنعتی ملک کے درمیان آزادی تجارت کا سلسلہ قائم کر دیا گیا یا کوئی اور سبب ہو۔[۷]

دسمبر ۱۹۳۰ء والے الہ آباد کے خطبہ صدارت میں جہاں انہوں نے پاکستان کا تصور پہلی مرتبہ دنیا کے سامنے پیش کیا، ایک سے زیادہ مرتبہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور مقروضیت کا تذکرہ کیا۔ اسی طرح مارچ ۱۹۳۲ء والے لاہور کے خطبہ صدارت میں انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ مسلمان نوجوانوں کی انجمنیں اس غرض کے لیے قائم کی جائیں کہ وہ اور باتوں کے علاوہ تجارت اور کاروبار کے میدان میں تنظیم کے لیے جدوجہد کریں اور دیہات میں مسلمان کاشتکاروں کی اقتصادی بدحالی اور مقروضیت کے ازالے کے لیے ایک تبلیغی مہم چلائیں۔ جس زمانے میں اقبال پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر تھے انہوں نے صوبائی میزانیہ پر وقتاً فوقتاً تقریریں کیں۔ منجملہ اور تجویزوں کے ان کی ایک تجویز یہ تھی کہ جن کاشتکاروں کی آمدنی ایک خاص حد سے کم ہو، انہیں انکم ٹیکس کی طرح لگان میں رعایت دی جائے یا اس سے معافی دی جائے۔ اقبال کی اس تجویز پر

پنجاب لیجسلیٹو کونسل نے توجہ نہیں کی مگر آج کل یہی مسئلہ ہمارے لیے اہمیت اختیار کر چکا ہے اور پاکستان کے اندر اور باہر اقبال کے ہم خیال موجود ہیں۔[۸]

زندگی کا راز کیا ہے؟ سلطنت کیا چیز ہے؟
اور یہ سرمایہ و محنت میں ہے کیسا خروش؟
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوت
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات[۹]

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگ مفاجات
بیکاری و عریانی و مے خواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات[۱۰]

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو[۱۱]

اقبال کو اواخر عمر میں مسلمانوں کے افلاس اور اقتصادی زبوں حالی کا کس قدر شدید احساس تھا اس کا اندازہ کرنا ہو تو اس خط و کتابت کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو اقبال اور جناح کے مابین ہوئی۔ اقبال، جناح

کو ۲۸مئی ۱۹۳۷ء کے خط میں لکھتے ہیں:

روٹی کا مسئلہ دن بدن زیادہ سخت ہوتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ پچھلے دو سو سال سے ان کی معاشی حالت برابر گرتی جا رہی ہے۔ عام طور پر ان کا یہ خیال ہے کہ ان کا افلاس ہندو سود خواروں اور سرمایہ داروں کی بدولت ہے۔ ابھی انہیں یہ محسوس نہیں ہوا کہ ان کے افلاس میں بیرونی استعمار کا بھی برابر کا دخل ہے مگر یہ احساس پیدا ہو کر رہے گا۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے افلاس اور ناداری کے مسئلے کا کیا حل نکالا جائے۔ مسلم لیگ کے مستقبل کا انحصار تمام تر اسی پر ہے کہ وہ اس مسئلے کا کیا حل پیش کرتی ہے۔'' [۱۲]

انور اقبال قریشی ٹاؤسگ، مارشل اور واکر سے استفادہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے پتہ چلا کہ علم الاقتصاد ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی تھی اور اقبال ۱۹۰۵ء میں انگلستان گئے۔ اس وقت تک تو ٹاؤسگ کی کتاب شائع ہی نہیں ہوئی تھی اور مارشل کے لیکچروں سے متاثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ اقبال نے معاشیات کی کوئی باقاعدہ تعلیم بھی حاصل نہیں کی تھی۔ اگر اس وقت انہوں نے کالج میں اس مضمون میں تعلیم حاصل کی بھی ہوتی تو اس سے چنداں فائدہ پہنچنے کی صورت نہ تھی۔ کیونکہ پہلی جنگ عظیم سے قبل نہ تو اس مضمون پر زیادہ کتابیں تھیں اور نہ ہی اس کا معیار تعلیم، کم سے کم پنجاب کے کالجوں کی حد تک، چنداں تسلی بخش نہ تھا۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۳ء میں اردو میں تو کیا انگریزی میں بھی معاشیات پر کسی ہندوستانی کی لکھی ہوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اردو میں معاشیات پر پہلی تصنیف الیاس برنی مرحوم کی کتاب 'علم المعیشت' ہے جسے ۱۹۱۲ء میں انجمن ترقی اردو نے شائع کیا تھا۔ اسی زمانے میں حیدر آباد میں دار الترجمہ قائم ہوا۔ اردو میں علمی اصطلاحات وضع ہونے لگیں اور جامعہ عثمانیہ کے قیام سے اردو میں معاشیات پر بھی مطبوعات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان حالات میں کیا بلحاظ زبان اور کیا بلحاظ اصطلاحات اور نفس مضمون علم الاقتصاد ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ [۱۳]

اس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک نہایت قابل قدر علمی کارنامہ تھا اور اس وقت علم المعیشت کی تعلیم انگریزی زبان میں بھی بہت معمولی درجہ رکھتی تھی اور اس مضمون کے جاننے والوں کی تعداد نہایت محدود تھی۔ اردو میں ایک ایسی کتاب لکھنا جو اس مشکل مضمون کو عام فہم الفاظ میں بیان کر کے عوام کے لیے ایک نیا علمی ذخیرہ مہیا کر دے، ایک انتہائی قابل قدر کوشش تھی۔ جس کی اہمیت اور افادیت آج بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد میری رائے تو یہ ہے کہ اقبال نے اپنے معاشیات کے شوق کو ترک کر کے قوم پر یک گونہ ظلم کیا ہے۔ اگر وہ معاشیات سے بھی اپنی دلچسپی برقرار رکھتے تو مسلمانوں میں ممتاز ماہرین معاشیات کا وہ فقدان نہ ہوتا، جو آج رونما ہے۔ [۱۴]

علم الاقتصاد کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے اس مضمون کا مطالعہ کرنے میں خاصی عرق

ریزی سے کام لیا تھا اور اس میں اس قدر دسترس حاصل کر لی تھی کہ وہ رائج الوقت نظریوں پر ناقدانہ نگاہ ڈال سکیں۔ مثلاً اس وقت کی مروّجہ کتابوں میں اُجرتوں کے متعلق یہ نظریہ تھا کہ اُجرتیں ایک مخصوص ذخیرہ سے ادا کی جاتی ہیں اور اگر اُجرتیں بڑھا دی جائیں تو یہ ذخیرہ کم ہو جائے گا جس سے بالآخر مزدور متاثر ہوں گے۔ بیسویں صدی کے آغاز ہی میں اس نظریہ پر تنقید شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ اقبال نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۹ پر اس نظریہ کے خلاف امریکہ کے مشہور مصنف واکر کے دلائل پیش کیے ہیں جس سے ان کی وسعت نظر اور گہرے مطالعے کا پتہ چلتا ہے۔ نوجوانی کے عالم میں بھی اقبال کی نظر بنیادی مسائل پر تھی۔ مزدوروں کی بہتری و خوشحالی اور قومی ترقی کے سلسلے میں ان سطور پر غور فرمایئے:

مگر ہمارے نزدیک کمی اجرت کا مفید ترین نسخہ قومی تعلیم ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس سے دستکار کا ہنر، اس کی محنت کی کارکردگی اور اس کی ذہانت ترقی کرتی ہے، اس کے اخلاق سنورتے ہیں اور وہ اس قابل بنتا ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ تعلیم کی مدد سے دستکار اپنے کام کو سہولت کے ساتھ کر لینے کی راہیں سوچ سکتا ہے اور جدید کلوں کا استعمال جلد سیکھ سکتا ہے اور شراب خوری اور ہر قسم کی غلط کاری سے محفوظ رہتا ہے جو بالعموم جہالت اور ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔

آبادی کا مسئلہ آج کل دنیا کی مختلف حکومتوں اور ماہرین معاشیات کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ ۱۹۰۱ء میں جب کہ ہندوستان کی آبادی صرف ۲۹ کروڑ ۴۰ لاکھ تھی اور آبادی کا مسئلہ کچھ ایسا تشویشناک نہ تھا۔ وہ اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اکثر قدیم قومیں ایک سے زیادہ بیویاں کرنا مستحسن تصور کرتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر قبیلہ اپنے افراد کی تعداد کو زیادہ کرنا چاہتا تھا کہ اس سے جنگ وجدل میں جو تمدن کے ابتدائی مراحل کا خاصہ ہوتا ہے۔ دیگر قبائل پر غلبہ رہے۔ تاہم یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ اقتصادی لحاظ سے تعدد ازدواج تمدن کی ہر صورت میں مستحسن ہے۔ کیونکہ اس سے آبادی بہت بڑھتی ہے جو بسا اوقات قوموں کے افلاس کا باعث ہوتی ہے۔ [۱۵]

مشفق خواجہ کی رائے میں:

اقبال کا شمار ان معدودے چند مفکرین میں ہوتا ہے جن کی نظر ماضی اور حال پر ہی نہیں بلکہ مستقبل پر بھی بہت گہری تھی۔ انہوں نے مشرق ومغرب کے فلسفے اور ادبیات سے اپنا تعلق 'خوشہ چینی' اور 'زلہ ربائی' تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ تمام جدید وقدیم علوم کا گہرا مطالعہ کر کے اپنا ایک مخصوص اندازِ نظر پیدا کیا۔ [۱۶]

اقبال نے اپنی شاعری میں ان خیالات کا اعادہ کیا کہ وہ اس روش کے سخت خلاف تھے کہ ہندوستان خام مواد کی منڈی ہو کر رہ جائے اور ہندوستان ایک ضرورت کی معمولی سے معمولی چیز بھی دوسرے ملکوں سے منگوائے۔ بانگ درا میں مندرجہ ذیل اشعار اقبال کے اس خیال کے آئینہ دار ہیں:

انتہا اس کی بھی ہے آخر خریدیں کب تلک
چھتریاں رومال مفلر پیرہن جاپان سے
اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئیں گے غسال کابل سے کفن ایران سے [۱۷]

اقبال کے معاشی موقف کے بارے میں پہلی بات تو یہی جاننے والی تھی کہ وہ دولت اور تنظیم دولت کو افراد کے بلند اخلاقی وروحانی نصب العین کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اقبال غریبی اور مفلسی کے بڑے دشمن تھے اور دل سے آرزومند تھے کہ جہاں تک ممکن ہو انسانوں کو اس خوفناک چنگل سے رہائی دلائی جائے۔ مشرق میں زیادہ اور مغرب میں کم ایسے بے شمار شاعر وادیب اور مصلح ومفکر ہو گزرے ہیں جنھوں نے افلاس کو سراہا ہے اور اس کی برکتیں گنوائی ہیں۔ ان ارباب نظر میں سعدی اور شیکسپیئر بھی شامل ہیں۔ اقبال کے مزاج میں مشرقیت اور درویشی کا رنگ غالب تھا، مگر دولت اور افلاس کے معاملہ میں ان کی نظر، یوں کہنا چاہئے کہ نہایت سائنٹفک اور حقیقت پسندانہ تھی۔ وہ اگر چہ دولت کو مقصود بالذات نہیں سمجھتے تاہم افلاس کے ساتھ کسی سمجھوتے کے لیے بھی تیار نہیں۔ وہ ان حضرات میں سے نہیں جو غریبی کی مضرتوں اور زہرناکیوں کے ساتھ اس کی 'فیض رسانیوں' کے بھی قائل ہوتے ہیں۔ افلاس ان کی نظر میں انسان کی شخصیت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ [۱۸]

علامہ اقبال کی سوچ کا رخ عیاں ہے، وہ مارکس اور اشتراکیت کا نام نہیں لیتے لیکن یہ طرز استدلال وہی ہے اور ان آرا کے تناظر میں مارکس، لینن اور سرمایہ ومحنت کے موضوع پر لکھی گئی نظمیں ایک نئی جہت اختیار کر لیتی ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں علامہ کو اقتصادیات کے اس پہلو سے چنداں دلچسپی نہ رہی بلکہ عمر کے آخری دور میں تو وہ اس اندازِ نظر ہی کے مخالف ہو گئے تھے۔ اس کی شہادت اس خط سے بھی ملتی ہے جو علامہ نے روزنامہ زمیندار لاہور میں چھپوایا تھا۔ ہوا یہ کہ ۲۳ جون ۱۹۲۳ء کے اخبار میں ایک صاحب نے علامہ کی نظم 'خضر راہ' اور 'پیام مشرق' کی بعض منظومات کے مطالعے سے اقبال کو اشتراکی ثابت کیا۔ علامہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اس کی تردید میں یوں لکھا:

بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے۔ اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل وبراہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن مجید نے تجویز کیا ہے، اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوت جب حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لیے ایک قسم کی لعنت ہے، لیکن دنیا کو اس کے مضر اثرات سے نجات دلانے کا طریقہ یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوت کو خارج کر دیا جائے جیسا کہ بولشویک تجویز

کرتے ہیں قرآن کریم نے اس قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنے کے لیے قانون میراث اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے اور فطرت انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی طریقہ قابل عمل بھی ہے۔ روسی بالشویزم یورپ کے ناعاقبت اندیش اور خود غرض سرمایہ داروں کے خلاف زبردست ردعمل ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بالشویزم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں۔ اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن حکیم نے ہمیں بتائی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے اور مجھے یقین ہے کہ خود روسی قوم بھی اپنے موجودہ نظام کے نقائص تجربے سے معلوم کر کے کسی ایسے نظام کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائے گی جس کے اصول اساسی یا تو خالص اسلامی ہوں گے یا ان سے ملتے جلتے ہوں گے۔[۱۹]

اس کتاب کے چھ حصے ہیں، مگر چھٹا حصہ کتاب کی سکیم سے باہر ہے۔ مصنف نے خود لکھا ہے کہ اس نے اس کتاب کے پانچ حصوں میں معاشیات کو سائنس کے مضمون کے طور پر بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے چھٹا حصہ ملخص ترجمہ کرتے ہوئے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علم الاقتصاد میں چھٹا حصہ نہیں ہے اور باقی کتاب کی ترتیب قریب قریب وہی ہے جو واکر کی پولیٹکل اکانومی کی ہے۔ علامہ اقبال نے بھی علم الاقتصاد کو واکر کی پولیٹکل اکانومی کی طرح حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر حصہ کے اجزا کو ابواب کا نام دیا ہے۔ علم الاقتصاد بھی پانچ حصوں پر مشتمل ہے اور اس کے ابواب بھی تقریباً وہی ہیں۔[۲۰]

اب علامہ اقبال کا آزاد ملخص ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

زر کاغذی کے پہلے موجد چین کے لوگ ہیں۔ بارہویں صدی میں جب مشہور سیاح مارکوپولو نے چین کا سفر کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہاں ایک درخت کی چھال کا سکہ جاری ہے جو لین دین میں سونے چاندی کے سکوں کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ تیرہویں اور چودہویں صدی میں فارس اور جاپان کے حکمرانوں نے بھی چین کی تقلید کی لیکن یورپ کی اقوام نے اس کے استعمال کے فوائد صدیوں بعد محسوس کئے۔[۲۱]

عمرانیات کے اساسی تصورات میں فرد اور جماعت یا فرد اور معاشرہ کا باہمی تعلق عمرانیات کا اہم موضوع ہے۔ اقبال کی اس تصنیف میں اگرچہ یہ موضوع بالکل ضمنی اور ثانوی طور پر آتا ہے۔ مگر جس انداز میں آیا ہے اس سے ذہن عمرانیات کے عضویاتی نظریہ (Organic Theory) کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ علم عمرانیات کے مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ نظریہ ہربرٹ اسپنسر کی علمی مساعی کا نتیجہ ہے۔ اقبال نے اسپنسر کی طرح عضویاتی قیاس (Organic Analogy) کو کام میں لاتے ہوئے لکھا ہے:

بنی نوع انسان ایک بڑے جسم کی طرح ہیں کہ مختلف ممالک یا اقوام اس کے اعضاء ہیں جو اپنے اپنے مقررہ فرائض کی انجام دہی سے 'بنی آدم اعضائے یک دیگر اند' کا پورا مفہوم ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح جسم کی پرورش اور تربیت (ترتیب) کرتے ہیں۔[۲۲]

اس پر تو اکثر نقاد متفق ہیں کہ علم الاقتصاد کسی ایک کتاب کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ اس میں مختلف انگریز مصنفین کے نظریات آگئے ہیں، لیکن مشفق خواجہ اور ڈاکٹر ملک حسن اختر نے دو خاص انگریز مصنفین کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ مشفق خواجہ نے الفریڈ مارشل کے اثرات کا اور ڈاکٹر ملک حسن اختر نے واکر کے اثرات کا حوالہ دیا ہے۔ مشفق خواجہ کا کہنا ہے کہ علامہ اقبال نے سب سے زیادہ فائدہ جس کتاب سے اٹھایا، وہ الفریڈ مارشل کی کتاب *Principles of Economics* ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب علم معاشیات پر پہلی باضابطہ کتاب ہے۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی اور علمی دنیا میں اس حد تک مقبول ہوئی کہ ۱۸۹۸ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ اس کی اس مقبولیت سے مشفق خواجہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ممکن ہے اس کتاب کی مقبولیت دیکھ کر ہی اقبال نے علم الاقتصاد لکھنے کا ارادہ کیا ہو۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت وہ یہ بتاتے ہیں کہ *Principles of Economics* کے اثرات علم الاقتصاد پر بہت زیادہ ہیں۔ اقبال نے اگرچہ مارشل کی کتاب کا لفظ بہ لفظ ترجمہ نہیں کیا لیکن مواد اسی کتاب سے لیا ہے۔ بعض جگہ اقبال نے مارشل کی کئی عبارتوں کا لفظی ترجمہ بھی کیا ہے۔ آگے چل کر مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

> اقبال کا مارشل کی عہد آفرین کتاب سے اس حد تک متاثر ہونا ضروری تھا۔ اس کتاب سے استفادہ کئے بغیر وہ علم الاقتصاد کو بہتر نہیں بنا سکتے تھے، لیکن مارشل کا حوالہ نہ دینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ [۲۳]

علم الاقتصاد میں کئی دیگر معاشی مسائل پر بھی مختصراً روشنی ڈالی گئی، اگرچہ موجودہ دور میں علم معاشیات نے بہت زیادہ ترقی کر لی ہے لیکن بہت سے بنیادی مسائل آج بھی وہی ہیں جن کی نشاندہی اقبال نے کی ہے۔ یہ کتاب اقبال کے اقتصادی تصورات سمجھنے میں بہت ممد ثابت ہو سکتی ہے۔ بالخصوص وہ اقتصادی تصورات جو ایک حد کے بعد ملکی سیاست پر بھی اثر انداز ہو سکتے ہیں (اور ہوتے ہیں)۔ علامہ اقبال کے نزدیک معاشی ترقی کا راز قومی تعلیم میں مضمر ہے، 'تعلیم ہی سے دست کار کا ہنر اور فن'، اس کی محنت اور کارکردگی اور ذہانت ترقی کرتی ہے، اس کے اخلاق سنورتے ہیں۔

علم الاقتصاد میں بہت سی ایسی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں، جو آج بھی مستعمل ہیں، اگرچہ ان میں سے بہت سی اصطلاحات متروک ہوگئی ہیں، تاہم معاشیات کا طالب علم ان سے ناواقف نہیں ہے ایسی بہت سی اصطلاحات کے مترادفات مشفق خواجہ نے اپنے مضمون میں پیش کئے ہیں۔ دیباچے میں علامہ اقبال اصطلاحات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> نئ علمی اصطلاحات کے وضع کرنے (کی) دِقت کو ہر با مذاق آدمی جانتا ہے، میں نے بعض اصطلاحات خود وضع کی ہیں اور بعض مصر کے عربی اخباروں سے لی ہیں جو زمانہ حال کی عربی زبان میں آج کل متداول ہیں، جہاں جہاں کسی اردو لفظ کو اپنی طرف سے کوئی نیا مفہوم دیا ہے ساتھ ہی اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔ [۲۴]

معاشیات کی فکری اور نفسی بنیاد کے متعلق علامہ نے جو رائے ظاہر کی ہے وہ نہایت اہم ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> علاوہ اور باتوں کے ماہرین علم الاقتصاد کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنے علم کی بنیاد انسانی فطرت کے صحیح اصولوں پر قائم کریں ورنہ ان کو صحیح اور کلی نتائج کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ خصوصاً اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ انسان بالطبع خود غرض ہے یا اس کی فطرت قدرتاً وصف امتیاز سے کلی طور پر مبرا ہے اور اس ابتدائی اصول کو اقتصادی استدلال کی بنیاد قرار دیا جائے تو ظاہر ہے کہ تمام استدلال جو اس اصول پر مبنی ہوں گے غلط سمجھے جائیں گے کیونکہ حقیقتاً انسانی فطرت اس قسم کی نہیں ہے بلکہ خود غرضی اور ایثار دونوں سے مرکب ہے۔ اگر کسی قوم میں علم الاقتصاد کے ایسے اصول مروج ہو جائیں جو اس قسم کے غلط مشاہدے پر مبنی ہوں تو وہ قوم ایک دو صدیوں کے عرصے میں ہی ایک حیرت ناک تنزل کرے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قوم کے ہر فعل میں بے جا خود غرضی اور زر پرستی کی بو آئے گی جو اس کو کسی نہ کسی دن حقیقی ذلت میں گرا کر چھوڑے گی۔[۲۵]

پوری کتاب پانچ حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔ پہلا حصہ علم الاقتصاد کی حقیقت کے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ پیدائش دولت کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس میں چار ابواب ہیں، جن میں مسئلہ قدر، بین الاقوامی تجارت، زر نقد، حق الضرب، زر کاغذی اور اعتبار سے بحث کی گئی ہے۔ چوتھا حصہ تقسیم پیداوار سے متعلق ہے اور اس میں بھی چھ باب ہیں جن کے موضوعات لگان، سود، منافع، اُجرت، مقابلہ ناکمل اور مال گزاری ہیں۔ آخری حصہ آبادی، جدید ضروریات اور صرف دولت کے مباحث کے لیے وقف ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ محمد اقبال، علم الاقتصاد، دیباچہ مصنف، پنجابی روپ از شریف کنجاہی، بزم اقبال، لاہور، جولائی ۱۹۷۸ء، ص ۱۶

۲۔ ایضاً، ص ۵

۳۔ صدیق جاوید (مؤلف)، علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، دیباچہ، اردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ء، ص ۱۱

۴۔ ایضاً، ص ۱۴

۵۔ ایضاً، ص ۱۸-۱۹

۶۔ ممتاز حسن، ''پیش لفظ علم الاقتصاد''، مشمولہ، علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، اردو اکیڈمی پاکستان، لاہور، مئی ۲۰۰۰ء، ص ۲۳

۷۔ ایضاً، ص ۲۵

۸۔ ایضاً، ص ۲۵-۲۶
۹۔ علامہ اقبال، خضر راہ، مشمولہ بانگ درا، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۱۹۸۲ء، ص ۲۶۲
۱۰۔ علامہ اقبال، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، اپریل ۱۹۷۲ء، ص ۱۴۷
۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۹
۱۲۔ ممتاز حسن، ''پیش لفظ علم الاقتصاد''، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۲۸۔۲۹
۱۳۔ انور اقبال قریشی، ''مقدمہ علم الاقتصاد''، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۳۲
۱۴۔ ایضاً، ص ۳۳
۱۵۔ ایضاً، ص ۳۷۔۳۵
۱۶۔ مشفق خواجہ، ''اقبال کا پہلا علمی کارنامہ علم الاقتصاد''، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۴۰
۱۷۔ علامہ اقبال، بانگ درا، محولہ بالا، ص ۲۸۵
۱۸۔ پروفیسر محمد عثمان، ''اقبال کی علم الاقتصاد''، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۸۳
۱۹۔ ڈاکٹر سلیم اختر، ''علم الاقتصاد (تجزیاتی مطالعہ)''، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۱۱۲۔۱۱۱
۲۰۔ ڈاکٹر حسن اختر، ''علم الاقتصاد''، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۱۲۳
۲۱۔ محمد اقبال، علم الاقتصاد جس کا معروف نام علم سیاست مدن ہے، مشمولہ، علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۱۲۸
۲۲۔ ڈاکٹر صدیق جاوید، علم الاقتصاد: ایک عمرانی مطالعہ، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۱۵۴۔۱۵۵
۲۳۔ زیب النساء، علم الاقتصاد، مشمولہ علم الاقتصاد کا تنقیدی مطالعہ، ص ۱۸۶۔۱۸۷
۲۴۔ ایضاً، ص ۱۹۱۔۱۹۳
۲۵۔ ایضاً، ص ۲۲۶